مجھے نقاب سے محبت ہے

یون رڈلے (ترجمہ: ریاض محمد انجم)

یون رڈلے ایک معروف نومسلم خاتون صحافی ہیں ان کی یہ تحریر ''واشنگٹن پوسٹ'' کے ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں اس مضمون کے ترجمے کی تلخیص دی جا رہی ہے۔ ——— [ادارہ]

افغانستان میں گرفتار ہونے سے قبل ''میں نقاب اوڑھنے والی عورتوں کو نہایت ہی کمزور، مظلوم اور ستم رسیدہ مخلوق سمجھتی تھی۔ امریکا پر ''دہشت گردانہ حملے'' کے صرف ۱۵ روز بعد ستمبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان میں اس حلیے میں داخل ہوئی کہ سرتاپا نیلے رنگ کے برقعے میں ملبوس تھی اور افغانستان میں موجود ''حکومتی جبر وظلم کے دور'' میں گزرتی زندگی کے متعلق، اخبار کے لئے ایک مضمون لکھنا چاہتی تھی، لیکن ہوا یہ کہ میرا بھید کھل گیا اور مجھے گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔

میں جن لوگوں میں قید تھی، ۱۰ دن تک ان پر برہم ہوتی رہی اور انہیں برا بھلا کہتی رہی۔ وہ مجھے ''بری عورت'' کہتے تھے، انہوں نے مجھے اس شرط اور وعدے پر رہا کر دیا کہ میں قرآن پڑھوں گی اور دین اسلام کا مطالعہ کروں گی (صحیح بات یہ ہے کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ رہا کرتے وقت کون زیادہ خوش تھا؟ وہ یا میں)۔

لندن واپس اپنے گھر پہنچ کر دین اسلام کے مطالعے کے متعلق میں نے ان سے کیا ہوا اپنا وعدہ نبھایا اور جو کچھ مجھے معلوم ہوا، اس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ میں قرآن میں ان موضوعات پر ابواب کی توقع کر رہی تھی کہ اپنی بیوی کی کس طرح پٹائی کی جاتی ہے اور کیسے اپنی بیٹیوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس کے بجائے قرآن کی آیات کے مطالعے کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ دین اسلام نے عورت کے حقوق اور احترام پر زور دیا ہے۔ اپنی گرفتاری کے اڑھائی برس بعد میں نے اسلام قبول کیا تو کچھ دوست اور عزیز حیران اور مایوس ہوئے اور کچھ نے حوصلہ افزائی کی۔

برطانیہ کے سابق سیکرٹری خارجہ جیک سٹرا کا یہ تبصرہ نہایت افسوس ناک ہے کہ مسلمان عورتوں کی طرف سے پہنے جانے والا نقاب باہمی تعلقات کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے، وزیر اعظم ٹونی بلیئر، سلمان رشدی اور اطالوی وزیر اعظم رومانو پروڈی نے بھی جیک سٹرا کی حمایت میں بیانات دے دیئے۔

اب جب کہ مجھے بغیر نقاب اور مع نقاب دونوں صورت احوال کا تجربہ ہے۔ میں آپ کو یہ بتا سکتی ہوں کہ جو مغربی مرد سیاست دان اور صحافی، اسلامی معاشرے میں نقاب والی عورت پر جبر کے متعلق افسوس ناک بات کا اظہار

کرتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کس چیز کے متعلق بات کرر ہے ہیں۔ وہ بچپن کی شادی، غیرت کے نام پر قتل اور زبردستی کی شادی کے متعلق جو منہ میں آئے کہے جاتے ہیں اور وہ دین اسلام کو نہایت غلط طور پر ان سب امور کا قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ ان کی رعونت پر مستزاد، اِن کی بے خبری ہے۔

ان تہذیبی مسائل اور رسم و رواج کا دین اسلام کے ساتھ قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر قرآن مجید کا مطالعہ سمجھ بوجھ کر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مغربی دنیا میں آزادیٔ نسواں کے حامیوں نے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں جس مقصد کے لئے جدو جہد کی، وہی چیز مسلمان عورتوں کو ۱۴۰۰ برس قبل عطا کردی گئی تھی۔ ا۔ اسلام میں دینی اور روحانی لحاظ سے عورتیں مردوں کے برابر ہیں، مردوں کی طرح علم کا حصول ان کے لئے بھی فرض کی حیثیت رکھتا ہے، اور عورت کی اہمیت مرد سے کسی طور کم نہیں ہے، بچے کی پیدائش اور بچے کی پرورش میں مہارت، مسلمان عورت کی مثبت خوبی گردانی جاتی ہے۔

اب جب کہ اسلام نے عورت کو بے شمار حقوق عطا کئے ہوئے ہیں تو پھر مغربی مرد، مسلمان عورتوں کے لباس کے بارے میں کیوں متفکر ہیں؟ اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ برطانوی حکومت کے وزراء گورڈن براؤن اور جان ریڈ نے نقاب کے متعلق حقارت آمیز تبصرہ کیا ہے۔ جب کہ ان کا اپنا تعلق سرحد پار اسکاٹ لینڈ سے ہے، جہاں مرد اسکرٹ پہنتے ہیں۔

جب میں مسلمان ہوگئی اور سر پر اسکارف پہننا شروع کیا تو مجھے بہت زیادہ ردعمل کا سامنا کرنا پڑا، میں نے اپنا سر اور اپنے بال ہی ڈھانپے تھے لیکن اس کے باعث میں فوراً ہی دوسرے درجے کی شہری کی سی ہوگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے کسی اسلام دشمن سے کچھ سننا پڑے گا، لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی کہ غیر برطانوی کی طرف سے بھی کھلے عام مخالفت کا اظہار ہوگا۔ رات کے وقت for hire کے روشن الفاظ کے ساتھ ٹیکسیاں میرے آس پاس سے گزر رہی تھیں۔ میرے سامنے رکنے والی ایک ٹیکسی سے ایک سفید فام اترا، میں آگے بڑھی تو ڈرائیور نے گھور کر دیکھا اور گاڑی بھگا کر لے گیا۔ دوسرے ڈرائیور نے کہا کہ عقبی نشست پر بم رکھ کر نہ جانا اور مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ اسامہ بن لادن کہاں چھپا ہوا ہے؟

یہ درست ہے کہ مسلمان عورت سے اس کے مذہب کا تقاضا ہے کہ اپنے لئے حیادار مناسب لباس استعمال کرے۔ یہ میرا ذاتی طریقہ اظہار ہے، میرے لباس سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، اور میں خود کو عزت واحترام پر مبنی سلوک کی مستحق سمجھتی ہوں۔ جس طرح بینک کا ایک افسر بزنس سوٹ پہن کر یہ اظہار کرتا ہے کہ اسے ایک ایگزیکٹو سمجھا جانا چاہیے، خاص طور پر مردوں کا عورتوں کی طرف نامناسب اور ہوس بھری نظروں سے گھورنا میری جیسی نومسلم خواتین کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

میں برسوں تک مغرب میں خواتین کی آزادی کی علمبردار رہی، لیکن اب مجھ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ اسلامی معاشرے میں آزادیٔ نسواں کے حامی، اپنے سیکولر ساتھیوں کی نسبت زیادہ انقلابی ہیں، ہمیں ''مقابلہ ہائے حسن'' سے کراہت محسوس ہوتی ہے، ہمیں اس وقت اپنی ہنسی روکنا پڑی جب ۲۰۰۳ء میں ''حسینہ عالم'' کے مقابلے کے موقع پر مختصر لباس میں ملبوس حسینۂ افغانستان وحیدہ صمد زئی کو آزادیٔ نسواں کی طرف سے ایک عظیم الشان قدم قرار دیا گیا۔ صمد زئی کو

''حقوقِ نسواں کی فتح کی علامت'' کے طور پر ایک مخصوص انعام بھی پیش کیا گیا۔

آزادیٔ نسواں کی حامی کچھ نوجوان مسلم خواتین، حجاب اور نقاب کو ایک خاص علامت بھی سمجھتی ہیں۔ جس کے ذریعے مغربی تہذیب کی لعنتوں، بے تحاشا شراب نوشی، آزادنہ جنسی تعلقات اور نشہ آور ادویات کے استعمال کو مسترد کیا جاتا ہے۔ مجھے بتاؤ آزادیٔ نسواں کا اظہار کس بات سے ہوتا ہے؟ اسکرٹ کی لمبائی اور چھاتی کے مصنوعی ابھار سے یا کردار اور ذہانت سے۔ اسلام میں عزت کا معیار حسن، دولت، طاقت، عہدہ یا جنس نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اٹلی کے وزیراعظم پروڈی کے اس طرزِ عمل پر روؤں یا ہنسوں؟ جس کے تحت انہوں نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ نقاب کو استعمال نہ کیا جائے، کیوں کہ اس سے باہمی میل جول زیادہ مشکل ہے۔ کیا واہیات بات ہے۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر موبائل فون، ای میل اور فیکس کے استعمال کا کیا جواز ہے؟ اور پھر جب ریڈیو پر سامع بولنے والے کا چہرہ نظر نہیں آتا تو وہ ریڈیو بند تو نہیں کر دیتا۔ اسلام نے مجھے عزت دی ہے، میرے دین نے مجھے تعلیم حاصل کرنے کا حق بخشا ہے اور میں شادی شدہ ہوں یا کنواری، تحصیل علم میرے لئے فرض قرار دیا ہے۔

عورت کے مقام اور اس سے سلوک سے متعلق صرف مسلمان مردوں ہی کا نام نہیں لینا چاہیے، حال ہی میں کئے گئے ایک سروے (گھریلو تشدد کا قومی ہاٹ لائن سروے) کے مطابق ۴ لاکھ امریکی خواتین، اوسطاً ۱۲ ماہ کی مدت کے دوران اپنے ساتھی مردوں کی طرف سے شدید حملوں اور مار پیٹ کا نشانہ بنتی ہیں اور ہر روز تین سے زائد عورتیں اپنے خاوندوں اور اپنے مرد دوستوں کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ ۹ ستمبر سے اب تک یہ تعداد تقریباً ۵۵۰۰ تک پہنچ چکی ہے۔

عورتوں پر تشدد کا یہ رجحان ایک عالمی المیہ ہے اور متشدد مردوں کا تعلق کسی خاص مذہب یا تہذیب سے نہیں ہے۔ ایک سروے کے مطابق دنیا بھر میں تین میں سے ایک عورت مرد کے ظلم وستم کا نشانہ بنتی ہے۔ اس میں مار پیٹ، جنسی زیادتی اور ذلت آمیز سلوک سب شامل ہیں۔ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے، جس کا مذہب، دولت، طبقاتی امتیاز، نسل اور تہذیب وثقافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت اور سچ ہے کہ عورتوں کی طرف سے احتجاج کے باوجود مغرب میں مرد خود کو عورتوں سے برتر سمجھتے ہیں۔ وہ کسی شعبہ میں بھی ہوں، عورتوں سے زیادہ بہتر معاوضہ اور تنخواہ پاتے ہیں اور عورتوں کو ابھی تک ایک جنسی شے سمجھا جاتا ہے، جن کی کشش اور اثر آفرینی براہِ راست ان کی ظاہری حالت سے عیاں ہوتی ہے۔

اس طبقے کے لئے جو ابھی تک یہ کوشش کر رہا ہے کہ اسلام کو ایک ایسا دین ثابت کرے جو عورتوں پر ظلم وستم روا رکھتا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں پادری پیٹ رابرٹ سن کی طرف سے دیئے گئے ایک بیان کو یاد کریں۔ اس نے ''بااختیار'' عورت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا:

> ''آزادیٔ نسواں کی تحریک ایک خاندان مخالف سوشلسٹ سیاسی تحریک ہے۔ جو عورتوں کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر چلی جائیں، اپنے بچوں کو ہلاک کر دیں، جادو ٹونا کریں، سرمایہ داری کو تباہ کر دیں اور ہم جنس پرست بن جائیں''۔

اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ کون مہذب ہے اور کون غیر مہذب؟

(ترجمہ: How I Come to Love the Veil، واشنگٹن، پوسٹ، ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء) ......☆☆